مسلمانوں پر ہندو سماج کے اثرات

مولانا محمد مسعود عالم قاسمی

عمرانی اور سماجی نقطۂ نظر کے مطابق چند انسانی گروہ جب ایک ساتھ رہتے اور بستے ہیں تو افکار وخیالات اور اوضاع ورسوم کا باہمی تبادلہ ہوتا ہے ہر گروہ دوسرے پر اپنے اثرات ڈالتا ہے اور دوسرے کا اثر قبول کرتا ہے، یہ اثر انگیزی اور اثر پذیری زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سی چیزوں کو قدر مشترک بنا دیتی ہے اور ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ یہ قدر مشترک ان گروہوں کا سرمایہ بن جاتی ہے، ہر چند کہ اسلام متعین اصول و اقدار کا حامل اور ان کے سلسلہ میں کسی مصالحت یا مداہنت کا قائل نہیں ہے اس کے باوجود مسلمانوں نے ہندوستان میں طویل قیام کے دوران جہاں اہل وطن پر اپنے اثرات ڈالے وہاں ان کے طرز معاشرت سے بہت کچھ اخذ بھی کیا اور اسے اپنے طرز معاشرت کا حصہ بنا لیا۔ ایک ایرانی دانشور علی اصغر حکمت لکھتے ہیں۔

" درجہاں کمتر اتفاق افتادہ است کہ دو تمدن عظیم از دو نوع مختلف باد و ماہیت متضاد مانند تمدن اسلام و تمدن ہندو از م بیکدگر تلاقی کردہ و باہم ایں چنیں امیختگی واختلاط حاصل کنند، ایں دو تمدن کہ از حیثیت نوع و نژاد مردم از حیثیت اداب ورسوم طبقات وبالاخر از حیثیت تفرقات مذہبی و اندیشہ ہائے فلسفی ذاتا مغایر بایکدگر بودند وہیچگونہ قرابت و مشابہتی بایکدگر نداشتند۔ دریں سرزمین برخورد نمودند و در طول مدت ہشت صد سال تمدنے جدیدی بوجود آوردند کہ از آں آثار نمایاں و برجستہ بجائے ماندہ است"[۱]

" دنیا میں ایسا اتفاق کم ہی ہوا ہے کہ اسلام اور ہندو مت کی مانند دو عظیم تمدن جن کی نوعیت مختلف اور جن کی ماہیت متضاد ہو ایک دوسرے

کے ساتھ ہم آہنگ ہوئے ہوں اور اس طرح اختلاط اور قربت حاصل
کی ہو کہ یہ تمدن جو کہ لوگوں کی نسل اور نوعیت کے لحاظ سے اور مختلف
طبقات کے آداب و رسوم کے لحاظ سے اور آخر میں مذہبی اختلاف اور
فلسفیانہ افکار کے لحاظ سے باہم متضاد تھے اور ایک دوسرے کے
ساتھ کسی قسم کی قرابت اور مشابہت نہیں رکھتے تھے، اس سر زمین
(ہندوستان) میں غذا حاصل کرتے ہیں۔ اور آٹھ سو سال کی طویل مدت
میں ایک نئے تمدن کو وجود عطا کرتے ہیں جو کہ ان آثار سے جدا اور مستقل ہیں"۔

برہمن نژاد ہندو تہذیب کے بارے میں تو یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اس کا مزاج مصالحت آمیز ہے وہ بقائے باہم کی نہ صرف حامی ہے بلکہ وہ ہمیشہ "کثرت میں وحدت" تلاش کرنے کی قائل رہی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ مت جو برہمنیت کی ضد تھی اور اس کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئی تھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ اسے ہندو مت نے اپنے اندر جذب کر لیا، اور اپنے دیوتاؤں کی فہرست میں ایک نئے دیوتا بدھ دیوجی کا اضافہ کر لیا، شنکر اناریوں کا دیوتا تھا آریا اسے اپنا دشمن خیال کرتے تھے ایک زمانہ کے بعد اسے بھی اپنا لیا گیا اور اب شنکر کی پوجا سب بتوں سے زیادہ ہوتی ہے، اسلام کا بے لچک تصور توحید جو ذرہ برابر بھی شرک کی آمیزش گوارہ نہیں کرتا ہندو مت میں اس کے لیے بھی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کی گئی مگر ہندو مذہب کے برعکس اسلام کا مزاج اقبال کی زبان میں یہ ہے کہ ؎ باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

اس لیے مسلمانوں کے اس رویہ پر حیرت ہوتی ہے جو انھوں نے ہندو تہذیب و معاشرت کے سلسلہ میں اختیار کیا، ان کی بے احتیاطی نے ان کے صاف و شفاف عقائد کو آلودہ کر دیا اور ہندو مذہب کی رسموں اور دیو مالائی عقیدوں کی نیرنگیوں نے ان کو مسحور کر ڈالا یوں تو اصولی اور نظری اعتبار سے وہ "صبغت اللہ" یعنی اللہ کے رنگ کے دعوے دار رہے مگر زندگی کے مختلف گوشوں میں ہندو مت سے اس قدر متاثر ہوئے، کہ آئیڈیل اسلامی تہذیب کی جگہ ایک حد تک مخلوط "ہندو مسلم تہذیب" کے علم بردار رہ گئے فرانسیسی مورخ گستاف لی بان ہندی مسلمانوں کے متعلق کہتا ہے کہ "منجملہ چھ کروڑ مسلمانوں

کے جو دین اسلام کے پیرو ہیں بہت ہی تھوڑے ایسے ہیں جو ہندو میل جول سے محفوظ ہیں اگرچہ مسلمان بہت سی خصوصیات میں بالکل ہندوؤں سے علیحدہ ہیں لیکن فی الواقع ہنود ان سے اس قدر متاثر نہیں ہوئے جتنا یہ ہنود سے ہوئے، اسی وجہ سے اگر وہ کل خصائص جو ہنود میں مشترک ہیں ان میں نہ بھی پائی جائیں تاہم بڑا حصہ ہندوؤں کے خصائص کا مسلمانوں میں موجود ہے"۔ ۹۲

اخذ وقبول اور اثر پذیری کا معاملہ اگر طے شدہ اصولوں اور ضابطوں کے تحت ہو تو یہ تہذیبوں کی بقا اور ارتقا میں صحت مند رول ادا کر سکتا ہے مگر جب یہ اصول وضوابط نظر انداز کر دئیے جائیں اور ہر اچھی بری چیز کی تقلید شروع ہو جائے تو تہذیبوں پر اس کے مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بعض حالات میں قوموں کا تہذیبی تشخص مبہم اور مضمحل ہو جاتا ہے، بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے برادرانِ وطن کے رسم ورواج خیالات اور فنون سے اخذ واستفادہ کرتے وقت بہت سی چیزوں میں اسلامی اصولوں اور تعلیمات سے صرف نظر کر لیا وہ یہ نہ طے کر سکے کہ کن چیزوں کو اختیار کرنا ان کے حق میں مفید ہے اور کن چیزوں کا اپنانا نقصان دہ ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی غیر اسلامی چیزیں ہماری تہذیبی زندگی کا حصہ بن گئیں جو کہ اصلاً ہندوانہ طرز معاشرت اور نظریہ حیات کا حصہ ہیں اور اسلامی روایت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں ہندو تہذیب کی اثر انگیزی کی تحریک شعوری طور پر اس وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جبکہ خسرو خاں (بروار بچہ) اپنے آقا قطب الدین مبارک شاہ کو قتل کر کے دہلی سلطنت پر قابض ہوا، خسرو خاں گجرات کے مہار ذات سے تعلق رکھتا تھا جسے ہندو سماج میں نیچ ہی سمجھا جاتا تھا، مبارک شاہ نے اسے اپنا ملازم پھر معتمد اور ندیم بنا لیا تھا، مگر جب قطب الدین مبارک شاہ کی حکومت میں اس کے اثرات بڑھے تو برہمنوں نے بڑی چالاکی سے اسے اپنی سیاسی اور تہذیبی تحریک کا آلۂ کار بنا لیا، چنانچہ اس نے حکومت کا تختہ الٹتے ہی علائی خاندان کے بچہ وجوان سب کو قتل کر دیا۔ ۹۳ اس نے یہ باور کر لیا کہ اب ہندو تہذیب کو بزور طاقت پھیلایا جا سکتا ہے اس لیے اس نے مسجدوں کو بت کدوں میں تبدیل کر دیا۔ قرآن کے نسخے جمع کر کے کرسی بنائی اسلام کی تذلیل اور مسلمانوں کا قتل شروع کیا اور ہندو رسم ورواج کی

اشاعت شروع کی[۴۹] دہلی اوراس کے اطراف اس کی حکومت کے جواثرات پڑے وہ بقول ملاعبدالقادر بدایونی یہ تھے :

"شعائرِ اسلام روبتنزل نہاد و رسوم ہندوی و عادات کفر رواج یافت و بت پرستی و تخریب مسجد شائع شد[۵۰]"

یعنی شعائرِ اسلام کو تنزل ہوا ہندوانہ رسوم اور کفریہ عادات نے رواج پایا، بت پرستی اور مسجدوں کی تباہی عام ہوگئی

خسرو خاں ہندو تہذیب کا علم بردار اور ہندوؤں کا لیڈر سمجھا گیا اور تمام اطراف کے رجعت پسند اس کے گرد جمع ہوگئے، خسرو خاں نے بہت سرعت کے ساتھ ان ہنود کو مناصب اور مراعات دینی شروع کردیں۔ بڑی تعداد میں ان کو فوج میں داخل کیا چنانچہ تھانیسر کے مقام پر جب غیاث الدین تغلق سے اس کی جنگ ہوئی تو اس کی فوج نے نارائن نارائن کے نعرے لگائے[۵۱]

ہندو تہذیب کی مسلم حکومت میں اشاعت اور فروغ کا دوسرا زریں موقع دورِ اکبری میں میسر آیا جس کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جرأت و قوت کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اکبر کی سرپرستی میں مہابھارت، رامائن، بھگوت گیتا اور اتھر وید وغیرہ کے جو فارسی میں ترجمے ہوئے وہ صرف ایک علمی سرگرمی کا آئینہ دار نہ تھے بلکہ اس پوری ذہنیت کی عکاسی کرتے تھے جس میں ہندوؤں کو بے قید آزادی عطا کرنا، برہمنوں کو ٹیکس کلکٹر مقرر کرنا۔ ہندو کمانڈروں کو اپنی فوج میں شامل کرنا، برہمن عورتوں کو اپنے حرم سرا میں داخل کرنا اور ہندو ذہنیت کی رعایت کرنا وغیرہ شامل تھا، بالخصوص ہندو عورتوں نے حرم سرا میں آکر نہ صرف بادشاہ اور اس کے خاندانی ماحول کو متاثر کیا بلکہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو فوج اور اعلیٰ عہدوں تک پہونچانے کا ذریعہ بھی ثابت ہوئیں۔ بلکہ ایک اہم تاثر یہ ہے کہ اکبر اپنی ہندو بیویوں اور راجہ بیربل کے زیر اثر ہندو مزاج بن چکا تھا[۵۲] اکبر کے دور میں ذبیحہ گائے پر پابندی عائد ہوئی، آفتاب کی پرستش شروع ہوئی، قشقہ اور زنار کو فروغ دیا گیا[۵۳] یہ سب ہندو احیاء پرستی کو مضبوط کرنے کی بلا واسطہ یا بالواسطہ کوشش تھی، ان ساری کوششوں کے دوررس منفی اثرات مسلم سماج پر مرتب ہوئے۔ دوسری طرف اسلام کی اشاعت اور قبول اسلام کے روزافزوں واقعات اور مسلمانوں

کے اقتدار سے غیر مسلموں میں اپنے مذہب کے متعلق مایوسی اور عدم اطمینان کا احساس ابھرا وہ یہ سمجھنے لگے کہ اسلام کی اشاعت کے بعد ان کا مذہبی نظام بکھرنے سے نہیں بچ سکتا۔ اس کے تدارک کے لیے ویدوں کی تحریک پر مبنی مزاحمت شروع ہوئی اور ہندو مت کو زوال سے بچانے کی منصوبہ بند کوششوں کا آغاز ہوا، بھکتی تحریک اسی کا ایک حصہ ہے۔ اس کی بنیاد بھگوت گیتا اور دیگر مذہبی کتابوں پر رکھی گئی، اس کے بانی جنوبی ہند کے دو برہمن الوار اور اڈیار تھے۔[۱۰] اس تحریک کو فلسفیانہ رنگ دینے شنکر آچاریہ کے مابعد الطبیعاتی نظام کی شکل عطا کرنے اور ویدانتوں کے اصولوں پر ترقی دینے کا کام راماجن نے کیا، پھر جنوبی ہند سے یہ تحریک شمالی ہند میں منتقل ہوئی جہاں اس نے وشنو مت کو مضبوط کیا اور بھکتی پوران کی طرف رہنمائی کی، اسی لیے اس تحریک کو دو ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا دور جنوبی ہند میں اس کے آغاز سے لے کر تیرہویں صدی عیسوی تک اور دوسرا دور تیرہویں صدی عیسوی سے لے کر سترہویں صدی عیسوی تک، شمالی ہند میں اس تحریک کا سابقہ براہِ راست اسلام سے پیش آیا، اور اسلام کے تصور توحید نے اس کے حاملین کو بہت حد تک متاثر کیا، جس سے اس تحریک میں اک نئی قوت حیات پیدا ہوئی اور جس کے ذریعہ اس نے اسلام کے مقابلے میں ہندو روحانیت کی داخلی محافظت اور دفاع کا حصار قائم کیا، مقصد اس اسلامی سیلاب کو روکنا تھا جو غارت گرِ باطل بن کر رونما ہوا تھا۔ اس تحریک کے سرکردہ افراد میں ایک نمایاں شخصیت رامانند کی تھی، جو مسلم صوفیاء سے متاثر ہوا اور بنارس میں مسلمان علماء و مشائخ سے روحانی استفادہ کیا، رامانند کے متبعین کے دو حلقے تھے، ایک حلقہ قدامت پرست ہندوؤں کا جس نے ویدوں کی بالادستی برقرار رکھی اس حلقہ کی نمائندگی نابھ داس اور تلسی داس نے کی، دوسرا حلقہ متجددوں کا تھا جس پر اسلام کے اثرات زیادہ تھے اس کی نمائندگی کبیر اور اس کے متبعین نے کی، اس طبقہ نے اسلام کے تصور توحید کو ہندو فلسفہ پر منطبق کیا اور اس نئے طریقۂ حیات کو ذریعہ نجات قرار دیا، ہندو احیاء پرستی کی یہ تحریک غالبًا اسلام کے لیے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی ایک طرف تو غیر مسلموں کے لیے براہِ راست اسلام سے قریب آنے میں رکاوٹ بنی اور دوسری طرف خود مسلمانوں پر اس کے مشرکانہ اثرات پڑے چنانچہ کبیر کے شاگردوں میں ہندو اور مسلمان، دونوں شامل

تھے، کرشنا سلسلہ نے بھی مسلمانوں پر غلط اثرات ڈالے، اس کی ایک مثال راس خاں کا اسلام سے مرتد ہوکر اس عقیدہ کا قبول کرلینا ہے، راس خاں نے کرشنا کی نذر میں برہم بانک بھی لکھا تھا، اس کے ارد گرد بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے، شیخ محمد کے پیرو جو بھگت ہو گئے رمضان اور ایکادیشی دونوں مناتے تھے[۱۱]

سولھویں صدی کے اوائل میں بنگال سے چتنیہ کی وشنو تحریک شروع ہوتی ہے، یہ تحریک برہمنی نظام کے پیدا کردہ مفاسد کی اصلاح کی مدعی تھی لیکن دراصل وہ ہندو احیاء پرستی ہی کی ایک نئی شکل تھی، اس تحریک نے بنگال میں ایک طرف اشاعت اسلام کی راہ میں دیوار کھڑی کی دوسری طرف مسلمانوں کو ہندومت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجہ میں بہت سے مسلمانوں نے وشنو مذہب اختیار کرلیا اور عام مسلمانوں کے عادات، واطوار میں ہندو مراسم اور خیالات سرایت کر گئے، روپ اور سناتن جو چتنیہ کے دست و بازو تھے ہندو مذہب کو چھوڑ کر مسلمان ہوئے تھے بعد میں مرتد ہو کر وشنو بن گئے، ان دونوں کو چتنیہ نے بندرابن کے پرانے تیرتھوں کا سراغ لگانے پر مامور کیا تھا[۱۲] چتنیہ کا ساتھی ہری داس پہلے مسلمان تھا، پھر وشنو بن گیا۔ بجلی خاں افغان بہادر بھی مرتد ہو کر وشنو بن گیا، بعض دیگر روایات کی رو سے چتنیہ نے پٹھانوں کے ایک گروہ کو ہندو بنا لیا تھا۔ غور کے حکمراں حسین شاہ کا میر منشی بھی وشنو ہو گیا، شیاما نند نے کثرت سے مسلمانوں میں وشنو مت کی اشاعت کی اور مسلمان مزدوروں کو اسے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں اور وشنوؤں کا ایک ملا جلا فرقہ وجود میں آیا، بیراگیوں کے متعلق دبستان مذاہب میں لکھا ہے کہ ان میں مسلمان بھی داخل تھے اور وشنو کی پرستش کرتے تھے، اس حلقہ میں محض جاہل عوام ہی نہ تھے بلکہ شریف اور صاحب حیثیت لوگ بھی شامل تھے، مرزا حیدر اور مرزا صالح بھی بیراگی ہو گئے تھے[۱۳] شاہ برکت اللہ کے مریدوں میں جین بیراگی اور کرشن داس بیراگی کے نام آتے ہیں[۱۴] وشنومت کے اثرات یہاں تک پہونچے کہ چشتی مشائخ کی مجالس سماع میں "بشن پد" یعنی وشنو گیت گائے جاتے اور اصحاب حال ان پر وجد کرتے، ہندو لوگیوں کے مسلمان شاگرد ہوتے[۱۵]

اس طرح اسلامی عقائد اور تعلیم پر برہمن کلچر کا غبار چھانے لگا۔ ہندو عقائد اور رسوم مسلمانوں میں پھیلنے لگے۔ نوبت یہ تھی کہ بنگال کی مسلم عورتیں بالعموم بھوانی یا کالی مائی کی پوجا کرتی تھیں۔

ستیلا مائی کی بھی پرستش ہوتی تھی اور چیچک کی وبا کے ایام میں چند مخصوص غیر اسلامی رسوم ادا کیے جاتے تھے، مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے " در وقت عروض حیدری کہ در زبان ہند بہ ستیلہ معروف است مشہور و محسوس است کہ کم زنے باشد کہ از دقائق ایں شرک خالی بود و برسمے از رسوم آں در انجا اقدام نہ نماید[۱۶]"، چیچک کی بیماری کے زمانہ میں جو ہندی زبان میں ستیلہ سے معروف ہے، کم ہی عورتیں ہوں گی جو اس شرک سے محفوظ ہوں گی اور ان کی رسوم ادا نہ کرتی ہوں گی۔ اس سے بھی زیادہ حیرتناک بات یہ تھی کہ ہندو اور مسلمان دونوں مندر میں بھوگ چڑھانے لگے تھے، اور ہندو مزاروں پر شیرنی چڑھاتے تھے، ان خیالات اور رسموں کے باہمی اتحاد سے ایک ایسا معبود وجود میں آگیا تھا جو "ست پیر" کے نام سے مشہور ہوا، اس کی ہندو اور مسلمان ایک ہی طرح پرستش کرتے تھے۔ سلطان حسین شاہ کو اس عقیدہ کا بانی خیال کیا جاتا ہے[۱۷]۔ مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوب میں جو ایک صالحہ عورت کے نام ہے یہ بھی لکھا ہے کہ " اکثر زناں بواسطہ کمال جہل کہ دارند باں استمداد ممنوع مبتلا اند و طلب دفع بلیہ ازیں اسما مسمی می نمایند و باداے مراسم اہل شرک گرفتار اند[۱۸]"، اکثر عورتیں کمال جہالت کی وجہ سے ممنوعات سے استمداد کرتی ہیں اور ان ممنوع ناموں کو بلاؤں کے دفع کرنے میں پکارتی ہیں، اور اہل شرک کے مراسم میں گرفتار ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے نصف اول میں شیونارائنی فرقہ وجود میں آیا، اس کا بانی سوامی نارائن سنگھ نروبی راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، اور ضلع بلیا کے موضع چندرادر کا باشندہ تھا۔ اس فرقہ نے بھی مسلمانوں کو اپنے ملحدانہ و مفسدانہ عقیدہ کا گرویدہ بنالیا، محمد شاہ (رنگیلا) اس کا مرید تھا جیسا کہ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے " اس نے محمد شاہ کو کلمہ سکھایا اور اس کی مہر حاصل کرکے اپنے فرقہ کی تبلیغ کی[۱۹]" انیسویں صدی میں برپا ہونے والی فرائضی تحریک سے پہلے اور بعض مقامات پر اس کے بعد بھی بنگال کے مسلمانوں پر ہندو رسوم و نظریات کا بڑا اثر تھا، بہت سے مسلمانوں کے نام ہندوانہ تھے، ان کی عادات میں ہندو اثرات کی جھلک تھی۔ بنگالی ادب جس نے مسلمانوں کو نئے ڈھنگ سے متاثر کیا ہندو ادب ہی کی احیائی صورت تھی۔ شاہ عبد العزیز کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں بہت سے لوگ کلمہ بھی پڑھتے تھے اور بتوں کو بھی

پوجتے تھے اور بتوں کو خدا کی مخلوق سمجھتے تھے۔[۲۰]

مسلمانوں میں ہندوانہ افکار و خیالات کے نفوذ کا ایک بڑا ذریعہ بعض صوفیاء کرام کی وسیع المشربی غیر محدود رواداری اور صلح کل کی پالیسی ہے۔ ہندوستان میں تصوف نے بالعموم جو صورت اختیار کی اس نے بہت سی چیزوں میں اسلام اور ہندومت کے فرق کو کمزور کر دیا، اور بقائے باہم کی کوشش نے ہندوازم اور اسلام کے درمیان گویا ایک پل کا کام دیا۔[۲۱] ویدانت کے نظریہ وحدت الوجود نے تصوف کے ساتھ اختلاط اور اعتبار حاصل کیا اور صوفیا کے اندر ہندی فلسفہ کے بہت سے نظریات معروف ہو گئے۔[۲۲] کہا جاتا ہے کہ ایک شام خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اپنی خانقاہ کی چھت پر ٹہل رہے تھے اسی وقت کچھ ہندو جمنا کے کنارے پوجا کرنے میں مشغول تھے ان کے ایک مرید نے ان کی توجہ ادھر مبذول کرائی تو شیخ نے فرمایا:

ع ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے[۲۳]

وحدۃ الوجود کی رو سے تمام موجودات ایک ہی وجود کا حصہ ہیں اس لیے ان کی پرستش منطقی طور پر خدا ہی کی پرستش ہوگی۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی شیخ کے اس قول کی وضاحت اسی طرح کرتے ہیں "اس مصرع میں مذہبی رواداری کا ایک بے پایاں جذبہ سمٹ آیا ہے ایک ایسے دور میں جبکہ مسلمانوں کا اقتدار نصف النہار تک پہونچ چکا تھا ایک مذہبی پیشوا کا یہ بے ساختہ ارشاد صرف مذہبی رواداری کا ہی نہیں بلکہ ایک ایسی فکر کا بھی آئینہ دار ہے جس نے ہندوستان کی تہذیب کے جلوہ صد رنگ کو دیکھ لیا ہو اور جو یہاں کے تہذیبی نقشہ میں ہر دین اور ہر قبلہ گاہ کو دیکھنے کے لیے تیار ہو۔[۲۴] نظامی صاحب چشتی سلسلہ کی مقبولیت کا راز بھی مشائخ چشت کی اس صلاحیت کو قرار دیتے ہیں جس کی بدولت وہ یہاں کے حالات، یہاں کے لوگوں کے مذہبی نقطہ نظر نیز ان کی آرزوں اور امنگوں کو سمجھنے کے قابل ہو سکے تھے وہ لکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں چشتی سلسلہ کے ارتقا کے ابتدائی ایام میں انھوں نے بہت سے ہندو مراسم کو اختیار کر لیا تھا، شیخ کے سامنے سرنگوں ہونا، زائرین کی پانی سے تواضع، زنبیل گردانی، چلہ معکوس، نئے مریدین کے سر کے بال ترشوانا اور سماع کی محفلیں ہندو اور بدھ رسوم سے بہت حد تک مماثلت رکھتے ہیں، اور یہی سبب ہے ہندوستان کے غیر مسلم ماحول میں چشتی سلسلہ کی مقبولیت کا"[۲۵]

یہی وجہ ہے کہ صوفیا کرام کے نظام تربیت میں ہندو اور مسلمان ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا بلکہ صوفیاء سے اعتقاد رکھنا اہم تھا، چنانچہ شیخ کلیم اللہ دہلوی نے اپنے خلیفہ اعظم شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو لکھا " صلح با ہندو و مسلمان سازند، ہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشد ذکر و فکر و مراقبہ و تعلیم او رابگویند کہ ذکر بخاصیت خود او را بہ اسلام خواہد کشید، و با غیر معتقد اگرچہ سید زادہ باشد تعلیم نہ باید کرد" [۲۶] (ہندو اور مسلمان کے ساتھ صلح رکھیں ان دونوں میں سے جو کوئی تمہارے ساتھ اعتقاد رکھتا ہو اس کو ذکر و فکر، مراقبہ اور تعلیم بتائیں، کیونکہ ذکر کی خاصیت اس کو خود ہی اسلام کی طرف کھینچ لے گی، اور غیر معتقد کو اگرچہ وہ سید زادہ ہی کیوں نہ ہو تعلیم نہ دینی چاہیے) شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے منقول ہے کہ " ایں چہ شور و ایں چہ غوغا کشادہ. کسے مومن و کسے کافر، کسے مطیع کسے عاصی کسے درراہ کسے بے راہ کسے مسلم کسے پارسا، کسے ملحد کسے ترسا ہمہ دریک سلک است" [۲۷] (یہ کیا شور و غوغا ہے کہ کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی مطیع ہے کوئی نافرمان کوئی راہ پر ہے، کوئی بے راہ کوئی مسلم کوئی پارسا ہے کوئی ملحد کوئی ترسا، یہ سب ایک ہی لڑی میں ہیں) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مسلم و کافر میں کوئی فرق و امتیاز نہیں تو دونوں اللہ کے یہاں یکساں مقام و مرتبہ کے بھی حق دار ہوں گے، چنانچہ خواجہ نظام الدین اولیاء نے فرمایا کہ خواجہ حمید الدین سوالی ناگور کے ایک ہندو کی نسبت ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ خدا کا ولی ہے [۲۸]

ملا شاہ قادری (دارا شکوہ کے پیر) کے حلقہ ارادت میں ایک ہندو کائستھ بھی شامل تھا جو " ولی رام" کے نام سے مشہور ہوا، اس کے متعلق دبستان مذاہب ہیں، لکھا ہے کہ " با بت و بتخانہ آشنا است و از مسجد بیگانہ نیست" [۲۹] (بت اور بتخانہ سے بھی آشنا ہے اور مسجد سے بھی بیگانہ نہیں ہے) ایک اور درویش کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسجد اور مندر دونوں کی تعظیم کرتا تھا، مسجد میں مسلمانوں کی طرح نمازیں پڑھتا اور مندر میں ہندوؤں کے آئین کے مطابق پوجا اور ڈنڈوت یعنی مراسم پرستش ادا کرتا [۳۰] شاہ غوث قلندر نے ایک کمبل پوش درویش کے بارے میں لکھا ہے کہ " ان کی نظر میں اسلام اور کفر برابر تھے۔ اگر کوئی فرق تھا تو ایسا کہ دونوں تضادات لازم و ملزوم تھے" [۳۱]

حضرات صوفیا پر بھی ہندومت کا اثر پایا جاتا تھا، قادری سلسلہ اس سلسلہ میں زیادہ

ہی مشہور تھا۔ داراشکوہ اور جہاں آرا کی ہندومت سے اثرپذیری بہت مشہور ہے اول الذکر کی مرتب کردہ کتاب "مجمع البحرین" اس کی بہترین مثال فراہم کرتی ہے۔ داراشکوہ نے رامائن، گیتا اور اپنشد کے سرالاسرار اور جوگ ویسشٹ کے ناموں سے ترجمے بھی کیے تھے اس کے نزدیک اسلام اور ہندومت ایک ہی حقیقت کے دو رخ تھے اور دونوں مذہبوں کو ایک ہی سرچشمہ کی لہریں قرار دیتے تھے[۳۲] شطاری سلسلہ جو بایزید بسطامی کی طرف منسوب ہے اور ہندوستان میں عبداللہ شطاری محمد قاضی، محمد غلام شطاری، محمد غوث گوالیاری جیسے شیوخ اس سلسلہ سے وابستہ تھے، یہ ہندومت سے خاص طور پر متاثر تھا۔ ہندو یوگ بھی اس سلسلہ میں ایک قابل ذکر شے ہے۔ "بحرالحیات" پہلی کتاب ہے جو ہندو یوگ پر ایک مسلمان (حضرت غوث) کی طرف سے لکھی گئی۔ نیز بہت سے اوراد و وظائف بھی ہندومت کے مماثل اختیار کرلیے گئے۔ مثال کے طور پر ہا ہُو کا ورد اپنشد سے ماخوذ ہے۔ اس میں ہا سے مراد ہوا، ہی سے آگ ہُو سے سورج اور او ہو سے تمام خدا مراد ہوتے ہیں[۳۳]۔ روشنیہ سلسلہ پر بھی ہندومت کی بڑی چھاپ تھی، اس سلسلہ کے شیخ پیر وخاں نے نظریہ تناسخ ارواح (اوگمن) کو اپنی تعلیمات کا جزو بنالیا تھا۔ ان کے مریدوں میں ہندو بھی تھے جنھیں وہ ہندی زبان میں تعلیم دیا کرتے تھے[۳۴]۔ مرتضیٰ مجذوب کی طرف کئی کتابیں منسوب کی جاتی ہیں ان میں ایک یداولی بھی ہے جو بنگالی وشنوگیتوں کی کتاب ہے، دوسری یوگ قلندر ہے اس میں داراشکوہ کی مجمع البحرین کی طرح اسلامی تصوف اور ہندو یوگ کی ہم آہنگی کا اظہار ہے، ایسی کتابیں اٹھارہویں صدی میں کثرت سے لکھی گئیں اور ان میں تصوف کے خیالات یوگ کی زبان میں ادا کیے گئے، شیخ عبدالحق ردولوی ہندی، یوگ سے بہت متاثر تھے وہ یوگیوں کے حبس دم کے قائل تھے وہ خود اور ان کے مریدین ہفتوں زمین میں دفن رہ سکتے تھے، اور اس کو جائز قرار دینے کے لیے نماز معکوس کہتے تھے[۳۵]۔ حبس دم سے اشتغال رکھنے والے دوسرے صوفیا میں خواجہ معین الدین چشتی، ملا شاہ قادری، بوعلی قلندر پانی پتی اور شیخ حسین کے نام لیے جاتے ہیں[۳۶] نظریات کی کمزوری اور مذہبی مداہنت کے ساتھ تبلیغی مساعی کا ایک طرف اگر یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کا حلقہ وسیع ہوا اور اسلام لانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف یہ بھی

ہوا کہ مسلمانوں کی عمومی زندگی اسلامی تعلیمات کی پابند نہ رہ سکی، اور آئیڈیل اسلامی تہذیب کی بقا اور ارتقا متاثر ہوگئی۔ ڈاکٹر عابد حسین مسلم صوفیا اور ہندو بھکشوؤں کے کارناموں پر یوں روشنی ڈالتے ہیں" وہ مذہب کو رسوم و قیود سے تو نہ آزاد کرا سکے لیکن انھوں نے مذہبی زندگی کے جمود کو توڑ کر اس میں روانی، تازگی، حرکت اور زندگی پیدا کر دی وہ سطح کے اوپر اسلام اور ہندو مت کے دھاروں کو نہیں ملا سکے لیکن انھوں نے یہ محسوس کرا دیا کہ سطح کے نیچے کہیں نہ کہیں ان دونوں کے سوتے ضرور ملتے ہیں"[۳۷]۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد اور یگانگی پیدا کرنے کا نتیجہ ایک مشترک کلچر کی شکل میں رونما ہوا جو نہ تو خالص مسلم کلچر تھا اور نہ اسے خالص ہندو کلچر ہی کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ ہمہ گیر ہند مسلم کلچر تھا اس کلچر کے اثرات دونوں قوموں کے ہر شعبہ زندگی میں سرایت کر گئے[۳۸]۔

سماجی زندگی میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے جو اثرات قبول کیے ان کے بہت سے پہلو قابل ذکر ہیں۔ رسم و رواج، طور و طریق، عادات و آداب، رہن سہن اور روزمرہ کے معاملات میں اس اثر پذیری کی مثالیں بہت ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ ہندی مسلمانوں میں آج جو عادات و رسوم اسلامی شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں ان کا غالب حصہ ہندوؤں کا رہین منت ہے، تو یہ عین واقعہ کی ترجمانی ہوگی، آپ شادی بیاہ کا معاملہ ہی لے لیجیے، جہیز، تلک بارات وغیرہ کی رسمیں خالص ہندوانہ رسمیں ہیں۔ جس طرح ہندو اپنے لڑکوں کی قیمت وصول کرتے ہیں مسلمان بھی کرتے ہیں۔ جس طرح وہ لڑکیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے مسلمان بھی ان کی پیروی کرتے ہیں۔ جس طرح وہ بارات کے نام پر پورا قافلہ لڑکی والوں کے گھر لے جاتے ہیں اور کئی شام تک حق مہمانی وصول کرتے ہیں۔ مسلمان بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو چھوٹی چھوٹی رسمیں ہیں وہ بھی ہندوؤں ہی سے مستعار ہیں۔ مرزا حسن قتیل کہتے ہیں کہ "ہندوستان کے مسلمان بیٹے اور بیٹی کی شادی میں چند رسموں کو چھوڑ کر جیسے آگ کے گرد چکر لگانا، باقی ساری رسمیں ہندوؤں کی طرح کرتے ہیں"[۳۹]۔ ہندوستان کے متعدد علاقوں میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے "گھر جمائی" کے تصور کو اپنا لیا مثلاً کشمیر میں "خانہ داماد" کا تصور، شمالی کانی کٹ میں "مرومکا تھایم" کا قانون اور تمل ناڈ کے بعض علاقوں میں بھی یہ تصور پایا جاتا ہے اس کی رو سے داماد گھر کا ایک رکن بنایا جاتا ہے اور وراثت کا حق دار ہوتا ہے۔ ہندوؤں

میں ہولی اور دیوالی دو بڑے مشہور تیوہار ہیں، ان تیوہاروں میں اگرچہ اب مسلمانوں کی شرکت کم ہوگئی ہے مگر کسی زمانہ میں یہ تہوار مسلم دربار کی زینت ہوتے تھے، امراء سے لے کر عام مسلمانوں تک سبھی ان میں دلچسپی لیتے تھے۔ نظیر اکبرآبادی نے ہولی میں مسلمانوں کی شرکت اوران کے جوش وخروش کی ترجمانی ان اشعار میں کی ہے۔

امیر جتنے ہیں سب اپنے گھر میں ہیں خوشحال　　قبائیں پہنے ہوئے تنگ تنگ گل کی مثال
بنا کے گہری طرح حوض مل کے سب فی الحال　　مچاتے ہولیاں آپس میں لے عبیر و گلال
بنے ہیں رنگ سے رنگیں نگار ہولی میں

مغلیہ دور کی ہولی کی مثنویوں سے کئی اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ مسلمانوں کے یہاں باقاعدہ ہولی کی محفلیں سجائی جاتی تھیں جہاں سب مل کر ہولی کھیلتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان محفلوں میں رقص وسرود کا اہتمام ہوتا تھا اور گانے کے ساتھ تمام سازوں کا استعمال ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں ڈومنیوں، راج پاتروں اور کنچنوں کے علاوہ بھانڈ اور حسین وجمیل لڑکے بھی رقص کے لیے بلائے جاتے تھے [۱۹]۔ افغانوں اور بعض دینداروں کے علاوہ سبھی مسلمان دل کھول کر ہولی میں حصہ لیتے تھے۔ نیچ لوگ نیچوں کے ساتھ، دولت مند دولت مندوں کے ساتھ، اور جوان جوانوں کے ساتھ مل کر ہولی مناتے تھے [۲۰]۔ دیوالی میں مسلمانوں کی شرکت اور دلچسپی کا حال بھی نظیر اکبرآبادی کے اشعار میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

ہر اک مکاں میں جلا پھر دیا دیوالی کا　　ہر اک طرف کو اجالا ہوا دیوالی کا
سبھی کے دل میں سما بھا گیا دیوالی کا　　کسی کے دل کو مزا خوش لگا دیوالی کا
عجب بہار کا ہے دن بنا دیوالی کا

مرزا قتیل نے لکھا ہے کہ "اس دن کی حرمت فرقہ ہنود پر منحصر نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان بھی ہندوؤں کے حال میں شریک ہوکر شمع محفل قمار بازی بنتے ہیں..... جو مسلمان جوا کھیلنے سے گریز کرتے ہیں وہ کم از کم اپنے گھروں میں چراغاں کرتے ہیں۔ عورتیں مٹی کے کھلونے، طرح طرح کی مٹھائیاں اور کھانڈ کے کھلونے ہر گھر کو چراغاں کرکے دیوالی بھرتی ہیں۔ عام طور پر اس ملک کے مردان معاملات میں ہندوانہ عقائد کے پیرو اور عورتوں کے مرید ہیں [۲۱]"

حضرت شیخ احمد سرہندی لکھتے ہیں کہ "کفار کی دیوالی کے زمانہ میں جاہل مسلمان خاص طور پر ان کی عورتیں کافروں کی رسمیں بجا لاتے ہیں، اور عید مناتے ہیں۔ اہل کفر کے ہدایا اور تحائف اور رنگ بھرے مٹکے بہنوں اور بیٹیوں کو بھیجتے ہیں۔ اپنے کپڑوں کے حصہ کو اس موسم میں کفار کے رنگ میں رنگتے ہیں اور سرخ رنگ سے بھر کر اس کو بھیجتے ہیں اور اس موسم کو اعتبار و اہمیت دیتے ہیں یہ سب شرک و کفر ہے اس اسلام پر اللہ کا یہ قول صادق آتا ہے وما یومن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون[۲۴]

ہندوؤں کا ایک قدیم تہوار بسنت کا میلہ ہے، یہ ہر سال بہار نو کی آمد پر ماگھ کے مہینے میں منایا جاتا ہے۔ اس کی رسموں میں رنگ رلیاں منانا، بسنتی لباس زیب تن کرنا، گانا بجانا اور ناچ کی محفلیں سجانا ہے۔ اس میلہ کو مسلم امرا اور دولت مند بھی پوری شان سے مناتے تھے، ۱۸۵۷ء تک آگرہ دہلی اور شمالی ہند کے مسلمان بسنت کا میلہ دھوم دھام سے مناتے تھے۔ اس رسم کو صوفیاء نے بھی اپنا لیا تھا اور ان کی وجہ سے یہ اسلامی تیوہار سمجھا جانے لگا تھا، سعید احمد مارہروی نے اپنے زمانہ کا حال بتاتے ہوئے کہا ہے کہ پندرہ دنوں تک مختلف مزاروں پر بسنت کے اسلامی میلے نہایت دھوم دھام کے ساتھ ہوتے تھے، آگرہ میں بھی شہر کے تمام پیشہ ور مسلمان مشعلیں لے کر جنگلوں میں بسنت مناتے اور حلوہ پوری کھلاتے تھے، گھروں میں عورتیں بھی بسنتی کپڑے پہن کر کڑھائیاں چڑھا کر پکوان کرتی تھیں، مل مل کر گیت گاتی تھیں، شمالی ہند کے اکثر شہروں اور قصبوں کے مسلمانوں میں کم و بیش بسنت کی رسمیں جاری تھیں[۲۵]

ہندوؤں میں ایک رسم یہ رائج تھی کہ وہ بیوہ عورتوں کی شادیوں کو معیوب سمجھتے تھے خواہ عورت عین جوانی کی حالت میں بیوہ کیوں نہ ہو گئی ہو اور اس نے ازدواجی زندگی کی مسرت سے لمحہ بھر بھی فائدہ نہ اٹھایا ہو مگر اس کا عقد ثانی نہیں کرتے۔ مرزا قتیل کے بقول "تمام شرفا یعنی کھتری، برہمن، کائستھ اور راجپوت بیوہ لڑکی کی دوسری شادی ہرگز نہیں کرتے[۲۶] جن کے شوہر مر جاتے وہ یا تو اسی کے ساتھ جلا کر راکھ کر دی جاتیں یعنی "ستی" کی نذر کر دی جاتیں یا بصورت دیگر تمام عمر بن بیاہی رہتیں۔ ہندوؤں کی اس رسم کہن کا اثر مسلمانوں پر بھی پڑا حالانکہ قرآن میں صاف حکم تھا کہ وانکحوا الایامی منکم۔ مگر اس کے برخلاف انھوں نے بھی عقد بیوگان کو معیوب قرار دے کر اس رسم قبیح کو اپنا لیا۔ نوبت یہاں تک پہونچ گئی تھی کہ اگر کوئی

بذات خود ہزار مردوں سے تعلق پیدا کرلے تو اس سے نہیں جھجکتے مگر اپنی خوشی سے اس کا نکاح دوسرے مرد سے نہیں کرتے[۴۲] اس سلسلہ میں ایک عبرت آموز واقعہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ ایک ہندوستانی مسلمان حج کو گیا ہوا تھا عرب کے کسی شہر میں اسے کسی ضرورت سے چھ ماہ ٹھہرنا پڑا، وہاں کے ایک شہری سے اس کی دوستی ہوگئی اتفاق ایسا ہوا کہ اس کی کچھ دنوں تک ہندوستانی سے ملاقات نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ہندوستانی ایک طرح کی بے چینی محسوس کر رہا تھا ہفتہ عشرہ کے بعد جب وہ ملا تو ہندوستانی نے شکوہ کیا تو عرب نے جواب دیا کہ میری ماں کا نکاح ثانی تھا اور میرے علاوہ کوئی مجلس کا انتظام کرنے والا نہ تھا اس وجہ سے میں ان دنوں غیر حاضر رہا یہ سن کر ہندوستانی نے لاحول پڑھی، عرب اس سے شرمندہ ہوا اور دوستی کو بالائے طاق رکھ کر قاضی کے سامنے پہونچا اور صورت حال رکھ دی، قاضی کے حکم سے ہندوستانی کو بلایا گیا، قاضی نے پوچھا! کیا یہ صحیح ہے کہ اس کی ماں کے نکاح کی خبر سن کر تو نے لاحول پڑھی تھی؟ ہندوستانی نے جواب دیا! ہاں یہ سچ ہے اور میں نے ٹھیک ہی پڑھی تھی میں پینتالیس[۴۵] سال کا ہونے کو ہوں اس مدت میں کبھی ہندوستان میں ایسا واقعہ میرے سننے میں نہیں آیا[۴۳]

حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا یہ بیان امیر شاہ خاں نے نقل کیا ہے کہ "جب میں اپنی بہن کو مشکوٰۃ وغیرہ پڑھاتا تھا تو نکاح ثانی کے فضائل قصداً چھوڑ دیتا تھا کہ مبادا بہن کو ترغیب ہو اور وہ نکاح ثانی کرلے[۴۴] اندازہ کیا جا سکتا ہے شاہ اسمٰعیل کے گھرانے کا یہ حال تھا تو اوروں کا کیا رہا ہوگا۔ لیکن بعد میں جب شاہ اسماعیل شہیدؒ نے عقد بیوگان کی تحریک چلائی تو لوگوں کے اعتراضات سے بچنے کے لیے اپنی بہن کا بیماری کی حالت میں عقد ثانی کر دیا جو بقول امیر شاہ کے سب سے پہلا نکاح ثانی تھا[۴۵] مگر یہ رسم اس قدر عام ہو چکی تھی کہ مسلمان اسے چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ مولانا وحید الدین کا وعظ بڑا پر اثر ہوتا تھا مگر جب انھوں نے اس مسئلہ پر تقریر شروع کی تو ایک صاحب نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس مسئلہ پر بولنے سے منع کیا۔ مولانا قاسم نانوتوی نے بھی اس برائی کے خلاف جدوجہد کی اور اپنی بیوہ بہن کا بڑھاپے میں نکاح کر دیا تاکہ عقد بیوگان کی تبلیغ ہو سکے[۴۶]

ہندوؤں میں ایک قدیم رسم "جوہر" کے نام سے موسوم تھی جب دشمن کا غلبہ اور تسلط اس حد تک پہونچ جاتا کہ جان و مال اور عزت و آبرو دونوں خطرے میں پڑ جاتے تو ...

راہِ نجات مسدود ہو جاتی تو آگ کا الاؤ روشن کیا جاتا اور مرد عورت بچے بوڑھے سب اس میں کود کر خاکستر ہو جاتے اور اسے جوہر کہتے۔ مسلمانوں میں بھی یہ رسم رائج ہوئی اور نازک حالات میں انھوں نے اس کا ارتکاب کیا۔ ماضی قریب کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں مسلمانوں میں ملتی ہیں۔ نادر شاہ کے ظلم سے بچنے کے لیے پرانی دلی کے شرفا، اس رسم کو ادا کرنے کی تیاری کر چکے تھے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت حسینؓ کی یاد دلا کر ان کو اس برے کام سے باز رکھا[۵۱] مگر اس کے باوجود اس قتل عام کے وقت ہزاروں نے رسم جوہر ادا کی[۵۲] بہارستان غیبی کے مصنف مرزا ناتھن نے سادات خاں کو یہ ہدایات دی تھیں کہ "تم جاؤ اور محل کے دروازہ پر کھڑے ہو جاؤ جب تم سنو کہ میں میدان میں شہید ہو گیا ہوں تو تم محل کے تمام بڑے چھوٹے کے ساتھ رسم جوہر ادا کرو اور آسمانی بادشاہت کے لیے سفر کرو۔[۵۳]

فاتحہ کی رسم کو کلمات کے لحاظ سے اسلامی کہا جا سکتا ہے لیکن ہندوستان میں اس نے وہی شکل اختیار کر لی تھی جو ہندوؤں میں چڑھاوے کی ہے۔ مختلف قسم کے پھل پھول اور پکوان وغیرہ دیوی دیوتاؤں کے نام پر اس لیے چڑھائے جاتے ہیں کہ ان کی روحیں اسی تحفہ سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کے خواص اور عوام سب کا عقیدہ تھا کہ جو کھانا کسی بزرگ کے نام پر فاتحہ دیا جاتا ہے اس پر اس بزرگ کی روح خود حاضر ہوتی ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ غلام حسین طباطبائی نے لکھا ہے کہ:

> "بعضے مردم کہ دسترخوان حضرت شاہ مرداں می نمایند دراں نشانے از غیب می شود چنانچہ در ہند معمولے و مکرر مردم ہوشیار چشم خود نشانہا را دیدہ سرمہ اعتقاد و بصیرت در دیدہ دلہا کشیدہ اند و ایں کرامت از اں جناب بنظر احقر یم الحمد للہ مکرر آمدہ"[۵۴]
>
> بعض لوگ جو حضرت علیؓ کے نام کا دسترخوان لگاتے ہیں اس پر غیب سے نشان پیدا ہو جاتا ہے ہندوستان میں بہت سے لوگوں نے بارہا ان نشانات کو دیکھا اور اپنے عقائد درست کیے اس احقر نے بھی یہ کرامت بار بار دیکھی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ "آج بھی مردے گنگا میں بہانے کے لیے

بھیجے جاتے ہیں ان کے بہنے کے بعد دوسرے دن پنڈت یہ اعلان کرتے ہیں کہ جس گھاٹ سے مردہ بہایا گیا اس کے کنارے کی ریت پر فلاں جانور کے پاؤں کے نشانات نظر آتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ مرنے والے نے اسی جانور کے جون میں جنم لیا جس کے نشانات پائے گئے، مجھ سے بعض معتبر برہمنوں نے بیان کیا کہ یہ کارستانی خود ان پنڈتوں کی ہوتی ہے[۵۵]

رسم فاتحہ کو پھول بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر عمر صاحب کے بقول "پھول ہندوؤں میں مردہ کی جلی ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں جو تیسرے روز مرگھٹ سے چن کر جمع کر لیتے ہیں اور اس کے بعد کسی متبرک ندی میں بہا دیتے ہیں"[۵۶] اس سے وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ہندوؤں میں رسم تیجا اور مسلمانوں میں پھول یا فاتحہ ایک ہی رسم ہے۔

غیر مسلموں سے اختلاط کے نتیجہ میں مسلمانوں کے اندر ایک اور خرابی ذات برادری اور حسب ونسب کی تفریق کی شکل میں رونما ہوئی، اسلامی نقطہ نظر سے ذات و برادری کی تفریق اور اس کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہ صرف ممنوع ہے بلکہ اسلامی معاشرہ کو درہم برہم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اسلام اس بات کی شدت سے تردید کرتا ہے کہ عزت، شرافت اور سربرآوردگی کسی شخص یا چند مخصوص خاندان اور گروہ سے وابستہ ہے، کیونکہ یہ چیزیں نسلی اور جبلی نہیں ہیں بلکہ ایمان وعمل اور تقویٰ اور خدمت سے جڑی ہوتی ہیں اور معزز وہ ہوتا ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ ذات برادری اگر باہمی تعارف اور تعاون تک محدود ہو تو معاشرہ کو صحت مند بنا سکتی ہے مگر جب اس کی بنیاد پر من وتو کی تفریق ہونے لگے، معاملات، سماجی تعلقات، اخلاقیات اور افکار وتصورات کو متاثر اور مسموم کر دے تو ظاہر ہے کہ تباہ کن بن جاتی ہے۔ مگر اسے ہندوستانی مسلمانوں کا المیہ ہی کہا جائے گا کہ جو لوگ باہر سے آئے وہ بھی اس رسم بد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور جو لوگ خود اسی سرزمین سے تعلق رکھتے تھے اسلام لانے کے بعد بھی ذات پات کی نفسیات سے خود کو علاحدہ نہ کر سکے۔ اسلام نے اگرچہ ان کے باطن اور ظاہر دونوں کو متاثر کیا مگر ذات وبرادری کے امتیازات ان کے ذہنوں سے محو نہ ہو سکے اور اب اس کا مظاہرہ وہ مسلم سماج میں کرنے لگے۔ نووارد حضرات نسلی تقسیم اور تفریق کا تصور خواہ اپنے ساتھ ایران سے لائے ہوں جیسا کہ ڈاکٹر عمر کا خیال ہے[۵۷] یا ہندوستان میں معزز رہنے اور

اشراف میں شمار کیے جانے کے لیے اس رسم کو قبول کرلیا ہو جیسا کہ ڈاکٹر اشرف کہتے ہیں [۵۸] "یہ بہرحال ایک حقیقت ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک کے مقابلے میں ہندوستان میں اس کے گہرے اثرات پڑے اور آج تک مسلم سماج اس طبقہ واریت کا شکار رہا آتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اشرف" اسلام سے ہندوستان کے طبقات اور ان کے مسائل میں ایک تبدیلی ضرور آئی لیکن ذات پات کا رواج قطعی طور پر ختم نہ ہوسکا، مسلمان خود ہندوستان میں طبقہ وارانہ تقسیم کے نظریہ کا شکار ہوگیا اور قرآن کے پیغام کو فراموش کر بیٹھا۔ [۵۹]

کھیل تماشوں کے میدان میں بھی مسلمانوں نے برادرانِ وطن سے بہت کچھ اخذ کیا اور بہت سے ان کھیلوں کو اپنایا جو شرعی طور پر حرام تھے، مثلاً جوا، شطرنج، بٹیر بازی، طوطہ بازی، مرغ بازی پتنگ بازی وغیرہ ان تمام غیر شرعی چیزوں کو قبول کرنے میں جہاں مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی کے آزادانہ اختلاط کو دخل ہے وہاں ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ کا کوئی معقول انتظام نہ ہوسکا، مختلف عوامل و اسباب کے تحت قبول اسلام میں اضافہ تو ہوا مگر اس کی مناسبت سے ان کو کامل مسلمان بنانے کی سعی نہ کی جاسکی اور ان کے قدیم ہندوانہ خیالات اور مراسم کی تطہیر نہ ہوسکی، اس لیے وہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی ہندوانہ تہذیب سے کسی نہ کسی حد تک تعلق اور وابستگی رکھتے تھے۔ دیہاتی علاقوں میں اسلام قبول کرنے والے اپنے قبیلہ کے ہندوؤں سے بدستور جڑے رہتے تھے، ان میں سے اکثر ہندو بیویاں رکھتے تھے، اور ہندو رسوم کی پابندی کرتے تھے پھر ان کے اثرات متعدی ہوکر عام مسلمانوں میں پھیلتے اور موثر طریقہ پر نسل درنسل یہ سلسلہ چلتا رہتا۔ راجستھان میں آج بھی اس طرح کی چیزیں ملتی ہیں، مثلاً راجپوت مسلمانوں کا اپنے راجپوت ہونے پر فخر کرنا اور چیتا اور مہرات ذاتوں کا اپنی سابقہ روایات سے تعلق رکھنا وغیرہ۔ ڈاکٹر محمد یٰسین لکھتے ہیں "نو مسلم حضرات جو ہندو معاشرہ سے بیزار ہو کر نکلتے تھے یا جبراً اسلام قبول کرتے تھے وہ مادی طور پر اپنے نقطۂ نظر اور سماجی حیثیت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے حالانکہ کچھ تبدیلیاں بعض دوسرے پہلوؤں سے ضرور پیدا ہوجاتی تھیں مگر اسلامی عقیدہ کو وہ کامیابی ہندوستان میں حاصل نہ ہوسکی جو اس نے مصر ایران اور بازنطین میں حاصل کی تھی۔ مذہب کی تبدیلی نے ان کے حالات اور ماحول کو نہیں بدلا جن میں پورے طور پر سماجی علٰحدگی

خرافات اور اوہام اور طبقاتی حد بندیاں سرایت کر گئی تھیں[161]۔ جب سلطان محمود بیگرہ نے ۱۴۷۳ء میں سندھ پر حملہ کیا تو سندھیوں نے مصالحت کی درخواست کی سلطان نے یہ دیکھ کر کہ سندھی مسلمان ہونے کے مدعی تھے ان کی درخواست قبول کر لی لیکن چونکہ ان میں بہت سی ہندوانہ رسمیں باقی تھیں اس لیے وہ بہت سے سندھیوں کو جونا گڑھ لے گیا تاکہ انھیں اسلام کی صحیح تعلیم دے کر واپس بھیجے اور وہ اپنے ملک میں جاکر اپنے ہم مذہبوں میں صحیح اسلام پھیلائیں[162]۔ سلطان جہانگیر نے پندرہویں سالِ جلوس کے واقعات میں کشمیر کے علاقہ راجوری کے بعض مسلمان راجپوتوں کی نسبت لکھا ہے کہ "یہاں کے زمین داروں کو راجہ کہا جاتا ہے، ان کو سلطان فیروز تغلق نے مسلمان بنایا تھا اس کے باوجود وہ راجہ کہلاتے تھے، ان کے درمیان آج بھی ایام جاہلیت کی بدعت رائج ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعض ہندو عورتیں شوہر کے ساتھ خود کو بھی جلا دیتی ہیں، چنانچہ یہ لوگ بھی شوہر کے ساتھ بیوی کو درگور کر دیتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ انہی دنوں میں دس بارہ سال کی ایک لڑکی کو زندہ اس کے شوہر کے ساتھ قبر میں ڈال دیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بعض کم رتبہ لوگوں کے یہاں جب لڑکی پیدا ہوتی ہے تو اس کو مار ڈالتے ہیں یا دوسرے کو دے دیتے ہیں[163]۔

آرنلڈ نے مسلمانوں کے آخری دور کی اصلاحات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بعض اس طرف مائل ہوتے ہیں کہ جاہل مسلمانوں کے ذہن سے ہندوانہ تعصبات دور کر کے مذہب کو زیادہ پاک صاف صورت میں ان کے دل پر نقش کریں، اس قسم کی کوششیں اکثر حالات میں قدیم داعیان اسلام کے ادھورے کام کو تکمیل دینے کے لیے کی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض صورتوں میں داعیانِ اسلام نے ہندوؤں کو اچھی طرح مسلمان نہیں بنایا، بہت سے برائے نام مسلمان ایسے موجود ہیں جو آدھے ہندو ہوتے ہیں ذاتوں کا فرق مانتے ہیں ہندوؤں کے تہوار مناتے ہیں اور بت پرستی کی اکثر رسموں کے پابند ہیں۔ بعض اضلاع جیسے میوات اور گڑگاؤں وغیرہ میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو اپنے مذہب سے بجز نام کے کچھ واقفیت نہیں رکھتے، نہ ان کے یہاں مسجدیں ہیں اور نہ وہ نماز کے پابند ہیں۔ یہ حال خاص ان دیہات یا ایسے مقامات کے مسلمانوں کا ہے جو مسلمانوں کے بڑے شہروں سے دور ہیں[164]۔ بلند شہر کے لال خانی خاندان کے چند لوگوں کے سوا

اکثر اپنے نام کے ساتھ ہندی لقب لگاتے ہیں، اور شادی بیاہ میں ہندوانی رسموں کی پابندی کرتے ہیں۔ مرزاپور میں گھر دار راج پوت آباد ہیں جو مسلمان ہیں اور خانگی امور میں ہندوؤں کے آئین و رسوم کے پابند ہیں اور نومسلم اپنے نام کے ساتھ ہندوانہ لقب لگاتے ہیں مثلاً بجگوتی، راؤ وغیرہ[۶۵]

مغلیہ عہد حکومت میں جادو ٹوٹکے وغیرہ کا بڑا زور تھا، اور ہندو اس میں صرف اعتقاد ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ بکثرت اس کا استعمال کرتے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد بھی جو اس فن میں دسترس رکھتے تھے وہ اس سے دست بردار نہیں ہوتے تھے، ان کے ساتھ باہر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے بھی رفتہ رفتہ اس فن میں مہارت پیدا کرلی اور اس کے نتیجہ میں اسلام کی تعلیم کے علی الرغم عام مسلمان جادوگری پر اعتقاد رکھنے لگے[۶۶]

ان تمام تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ بقول ڈاکٹر عمر، ہندو رسم و رواج عادات و اطوار، طرز معاشرت اور توہمات نے بہت جلد اسلامی رسم و رواج کو پس پشت ڈال دیا اور اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے رسم و رواج اور سماجی اور معاشرتی زندگی میں صرف نام کا فرق رہ گیا[۶۷] یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کو کہنا پڑا کہ "احکام کثیرہ اہل کفر در اہل اسلام شوخی پیدا کردہ اند"۔ علی اصغر حکمت ہندوستان کی تہذیب کا گہرا مشاہدہ کرنے کے بعد یہ تبصرہ کرتا ہے کہ :۔

ہندومت اور اسلام کا اختلاط و امتزاج درحقیقت دو صدیوں بعد شروع ہوا یہ وہ وقت تھا کہ مسلمان جنگ و جدال اور مملکت گیری سے فارغ ہوکر ہندوستان کے مفتوح ممالک میں اقامت و سکونت اختیار کرچکے تھے، اور مجبور تھے کہ ہندوؤں کے ساتھ ہم وطن اور ہم شہری کی طرح زندگی گذاریں اور ان سے ملک داری اور علم و صنعت کے معاملے میں استفادہ کریں۔ ہندو بھی مجبور تھے کہ نووارد مسلمانوں کے ساتھ ہر شہر اور علاقہ میں تال میل پیدا کریں۔ اس سے چھٹی صدی ہجری کے بعد کی صدیوں میں مستقل طور پر وہ تہذیب و تمدن ظہور میں آیا جو تہذیب اسلامی ہند کے نام سے موسوم ہے[۶۸]

یعنی آج جو تہذیب مسلمانوں کا سرمایہ افتخار ہے وہ اس آئیڈیل اسلامی تہذیب کا ہم معنی نہیں ہے جو قرآن و سنت اور مقدس اسلامی تاریخ سے جلوہ گر ہے۔
مولانا حالی نے "مسدس مد و جزر اسلام" میں کہا ہے۔

کردیا شیروں کو تو نے گوسفند اے خاکِ ہند   جو تند کار ڈگن تھے آ کر ہو گئے یاں خود شکار
چھین لی سب ہم سے یاں شانِ عرب آن عجم   تو نے اے غارت گرِ اقوام و اکالِ الامم

حوالہ جات

۱؎ علی اصغر حکمت، سرزمین ہند، ص۵۸، تہران ۱۳۳۳ء
۲؎ لی بان، تمدن ہند ص۱۳۵، اردو ترجمہ غلام علی آزاد بلگرامی، آگرہ ۱۹۱۳ء۔
۳؎ ابو القاسم فرشتہ تاریخ فرشتہ ۱/۲۳۷، نول کشور لکھنؤ۔
۴؎ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی ص۲۱۲، کلکتہ۔
۵؎ ملا عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ ۱/۲۱۷ کلکتہ ۱۸۶۸ء
۶؎ شیخ محمد اکرام، آب کوثر ص۳۹۴، لاہور ۱۹۸۶ء۔

۷؎ M.T. Ilus, Islam in India and Pakistan P.P 158, 165 Calcutta, 1959.

۸؎ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، دوم ص۲۱۷، کلکتہ ۱۸۶۸ء۔

۹؎ Azeez Ahmad, Studies in Islamic culture P. 93

۱۰، ۱۱؎ ڈاکٹر تارا چند، اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص۲۶۷، ترجمہ رحیم الدین الہاشمی دہلی ۱۹۶۶ء

۱۲؎ Azeez Ahmad, Studies in Islamic culture P. 150

۱۳؎ Mohd. Yaseen, A social History of Islamic India PP. 92 Lucknow, 1958

۱۴؎ ڈاکٹر محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص۳۲۶، ترقی اردو بیورو، دہلی

۱۵؎ Islam in India and Pakistan PP. 161

۱۶؎ مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۱۰۴ بنام ایک صالحہ عورت۔
۱۷؎ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص۲۶۰
۱۸؎ مکتوبات امام ربانی دفتر سوم، مکتوب ۱۰۴
۱۹؎ اسلام کا ہندوستانی تہذیب پر اثر ص۲۴۸

۲۰ھ ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ اردو ترجمہ ایوب قادری صـ۷ ، کراچی ۱۹۶۰ء

۲۱ھ Studies in Islamic culture P.P. 134

۲۲ھ Ishtiaque Hussain Quraishi, The Muslim Community of the Indopakistan Sub continent PP. 147 Delhi 1985

۲۳ھ خلیق احمد نظامی سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات صـ۷۳ ، دہلی ۱۹۵۸ء

۲۴ھ ایضاً

۲۵ھ K.A.Nizami, Some Aspects of Religion and politics in India during the thirteen century, P.178-79 Aligarh 1961

۲۶ھ مکتوبات کلیم اللہ صـ۸۶ ، تاریخ مشائخ چشت ۵/۲۱۰ ، ادارہ ادبیات دلی ۱۹۸۴ء

۲۷ھ مکتوبات قدوسیہ صـ۲۱۷ ، مطبع احمدی دہلی۔

۲۸ھ فوائدالفواد مرتبہ امیر حسن علا سجزی

۲۹ھ رود کوثر صـ۳۸۲

۳۰ھ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صـ۳۱ ۳۱ھ ایضاً

۳۲ھ Islam in India and Pakistan P. 168

۳۳ھ Studies in Islamic culture in the Indian Enviro nment P. 137, oxford. 1964

۳۴ھ رود کوثر صـ۵۴

۳۵ھ اقتدار حسین، اردو میں تاریخ نگاری، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ جولائی ستمبر ۱۹۸۶ء

۳۶ھ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صـ۳۴۲

۳۷ھ ڈاکٹر عابد حسین، قومی تہذیب کا مسئلہ صـ۱۸ ، ترقی اردو بیورو، دہلی۔

۳۸ھ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صـ۳۲

۳۹ھ مرزا محمد حسن قتیل، ہفت تماشا، اردو ترجمہ ڈاکٹر محمد عمر صـ۱۳۹ دہلی ۱۹۶۸ء

۴۰ھ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر صـ۱۶۶

۴۱ھ ہفت تماشا صـ۹۲ ۴۲ھ ایضاً صـ۸۴-۸۳

۴۳ھ مکتوبات امام ربانی ، دفتر سوم مکتوب ۴۱
۳۰۵

۴۴ھ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۱۸۰

۴۵ھ ہفت تماشا ص ۱۲۵ ۴۶ھ ایضاً ص ۱۳۸ ۴۷ھ ایضاً ص ۱۳۹

۴۸ھ مناظر احسن گیلانی، سوانح قاسمی ۲/۱۸ دارالعلوم دیوبند

۴۹ھ ایضاً ص ۹ ۵۰ھ ایضاً ص ۱۴

۵۱ھ مناظر احسن گیلانی، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۱۷۱، کراچی ۱۹۵۹ء

۵۲ھ ڈاکٹر محمد عمر، اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت ص ۲۳

۵۳ھ A Social History of Islamic India P. 90

۵۴ھ طباطبائی، سیر المتاخرین ۲/۴۵

۵۵ھ تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ ص ۱۲۵

۵۶ھ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۱۲۳

۵۷ھ ایضاً ص ۸۵

۵۸ھ K. M. Ashraf. Life and Condilions of the people of Hindustan. PP. 100, Delhi, 1970.

۵۹ھ ایضاً ص ۱۱۲

۶۰ھ Studies in Islamic Culture in the Indian Environment P. 85

۶۱ھ Asocial History of Islamic India P. 14

۶۲ھ آب کوثر ص ۴۹۴

۶۳ھ رود کوثر ص ۲۳۰

۶۴ھ آرنلڈ؛ دعوت اسلام، ص ۳۰۳؛ آگرہ ۱۸۹۸ء

۶۵ھ ایضاً ص ۲۱۱، کراچی ۱۹۶۲ء

۶۶ھ بدایونی، منتخب التواریخ ۲/۲۵

۶۷ھ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۲۶۱

۶۸ھ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول مکتوب ۶۵ بنام خان اعظم

۶۹ھ سرزمین ہند ص ۶۰